

انبیاء کی بعثت کا ہدف

ثاقب اکبر *

چونکہ آج مغربی معاشرے میں عملی طور پر یہ نظریہ اختیار کر لیا گیا ہے کہ انسان کی اجتماعی زندگی کے فیصلے انسان نے خود کرنے ہیں اور اس کے لیے کسی نبی کی تعلیمات کی ضرورت نہیں ہے، لہذا نبوت کی ضرورت کے سلسلے میں ایک بہت بنیادی سوال یہ ہے کہ کیا نبی کی ضرورت آخرت کے لحاظ سے ہے یا دنیاوی اور مادی زندگی کے لحاظ سے؟ جواب یہ ہے کہ چونکہ دین اسلام براہ راست ہماری انفرادی اور اجتماعی زندگی دونوں کے لیے قوانین دیتا ہے اور دین کا تعلق ہماری زندگی کے انفرادی اور اجتماعی، دونوں پہلوؤں سے ہے۔

ہمیں یہ امر بھی مد نظر رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے سب انسانوں کو ایک فطرت پر پیدا کیا ہے اور انسان اپنے فطری راستے پر چلتا رہے تو پوری انسانیت ایک امت بن جاتی ہے۔ لیکن اگر کچھ لوگ فطرت کا راستہ ترک کر دیں تو انسانی معاشروں میں اختلافات جنم لیتے ہیں۔ انبیاء کی بعثت کا ایک اہم ہدف، ان اختلافات کا خاتمہ ہے اور امت واحدہ کی تشکیل ہے۔ گویا انبیاء کی بعثت کا مقصد انسانوں کو پیمان فطرت یاد دلانا ہے۔

رسول اکرمؐ کی بعثت کا ایک اہم فائدہ انسانیت کو یہ حاصل ہوا کہ بنی نوع بشر قتل و فساد اور جنگ و جدل سے بچ کر آپس میں بھائی بھائی بن گئے اور امت واحدہ کی تشکیل ہوئی۔ انبیاء کرام کی بعثت کا ایک اور اہم ہدف لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی عبادت اور بندگی کی طرف دعوت دینا تھا۔ درحقیقت، اللہ تعالیٰ کی بندگی ہی انسانوں کی وحدت کا ذریعہ بن سکتی ہے۔ بنی نوع انسان کو آخرت کے عذاب جہنم سے بچنے کی دعوت دینا بھی انبیاء کی بعثت کا ایک مقصد ہے۔ عدل کی حکمرانی کے قیام کی تعلیم، دعوت بلکہ کوشش بھی انبیاء کی جدوجہد کا حصہ ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ انبیاء نہ ہوتے تو انسان اور انسانیت ہی نہ ہوتی۔

* صدر نشین، البصیرہ ٹرسٹ، اسلام آباد

نبوت ایک اصل دین

اصول کی بحث یا عنوان خود ہمارا پیدا کردہ ہے قرآن یا کسی مستند حدیث میں یوں نہیں آیا کہ اصول دین اتنے ہیں البتہ جن امور پر بنیادی طور پر ایمان لانا ضروری ہے وہ اصول دین ہیں۔ بعض امور ضمنی طور پر آجاتے ہیں ان پر بھی ایمان لانا ضروری ہوتا ہے لیکن وہ ضمنی ہوتے ہیں۔ مثلاً نبوت کا موضوع اصول دین میں سے ہے لیکن ختم نبوت کا موضوع اس کے ضمن میں آتا ہے اسی طرح سے وحی کا موضوع بھی نبوت کے موضوع کے ضمن میں زیر بحث آتا ہے۔

دین کی بحث کو آسانی کے لیے ہم اصول اور فروع میں تقسیم کرتے ہیں۔ اصول دین کا تعلق عقائد و معارف سے ہے اور فروع دین کا تعلق عملی زندگی سے ہے۔ ان میں سے گویا ایک کا تعلق ایمانیات سے ہے اور دوسرے کا عملیات سے ہے۔ نبوت کا تعلق بھی عقائد سے ہے جسے ہم ایک لحاظ سے دو پہلوؤں سے بیان کرتے ہیں۔ ایک نبوت عامہ اور دوسری نبوت خاصہ۔

نبوت عامہ

نبوت کا عمومی مفہوم یہ ہے کہ بعض افراد خدا اور اس کے بندوں کے درمیان واسطہ ہوتے ہیں، احکام اس سے لیتے ہیں اور لوگوں تک پہنچاتے ہیں۔ وہ باقاعدہ خدا کی طرف سے نبوت کے منصب پر اپنی ماموریت کا دعویٰ کرتے ہیں اور اسی طرح سے اپنی نبوت کا اثبات بھی خود نبی کے ذمے ہے۔

نبوت خاصہ

اس عنوان کے تحت ہم مختلف انبیاء کی نبوت کا اثبات کرتے ہیں یا مختلف انبیاء کے حوالے سے اٹھنے والے سوالات کا جواب دیتے ہیں۔ یعنی حضرت عیسیٰ نبی تھے، موسیٰ نبی تھے حضرت محمد مصطفیٰ نبی ہیں تو ان کی نبوتوں کا ثبوت کیا ہے۔ یعنی نبوت خاصہ کی بحث کا تعلق ان افراد سے براہ راست ہے جنہوں نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔

”نبی“ کا مفہوم

لفظ نبی نباء سے نکلا ہے اور نباء کا معنی ہے خاص خبر یا عظیم خبر۔ عربی میں خبر کا لفظ بھی اطلاع کے معنی میں آتا ہے لیکن نبی کو ہم منجر یعنی خبر لانے والا نہیں کہتے۔ نباء کے حوالے سے نبی کہتے ہیں یعنی بڑی خبر لانے والا۔ قرآن میں بھی نباء کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ سورہ نباء یہاں سے شروع ہوتی ہے:

”عَمَّ يَتَسَاءَلُونَ ۚ عَنِ النَّبِيِّ الْعَظِيمِ“ (1)

یعنی: ”یہ لوگ کس چیز کے بارے میں ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں؟ ایک بڑی خبر کے بارے میں۔“

نبی کی ضرورت اور اجتماعی پہلو

اس سلسلے میں بہت بنیادی سوال یہ ہے کہ کیا نبی کی ضرورت آخرت کے لحاظ سے ہے یا ہماری دنیاوی اور مادی زندگی کے لیے بھی نبی کی ضرورت ہے اور ہماری اجتماعیت کے ساتھ نبوت کا کیا رشتہ اور تعلق ہے یا نبوت کا تعلق فقط بعد از موت زندگی سے ہے۔ مغربی معاشرے میں ایک عرصے سے عملی طور پر یہ نظریہ اختیار کر لیا گیا ہے کہ انسان کی اجتماعی زندگی کے فیصلے انسانوں کو اجتماعی طور پر خود کرنے ہیں اور اس کے لیے کسی نبی کی تعلیمات یا اس کی کتاب کو اساس کار کی حیثیت حاصل نہیں ہے۔ اسی کو وہ حکومتوں اور ریاستوں کا سیکولر ہونا قرار دیتے ہیں۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ انسان کے پاس عقل ہے، وہ عقل سے کام لے کر اپنی زندگی بہتر گزار سکتا ہے لیکن ہمارا خیال یہ ہے کہ چونکہ دین اسلام براہ راست ہماری انفرادی اور اجتماعی زندگی دونوں کے لیے قوانین دیتا ہے اور عقل بھی ان قوانین کو درست سمجھتی ہے اور وہ بہتر نتائج کے بھی حامل ہیں تو پھر دین کا تعلق ہماری انفرادی و اجتماعی زندگی سے ثابت ہوتا ہے۔ جب ہم دین کا تعلق سوسائٹی یا معاشرے سے ثابت کر دیں گے تو پھر یہ سوال نہیں رہے گا کہ دین ہماری زندگی کی ضرورت ہے یا نہیں۔ وجہ بعثت انبیاء پر گفتگو کرتے ہوئے ہم آئندہ دلائل سے ثابت کریں گے کہ خود قرآن حکیم نے بعثت انبیاء کے اجتماعی مقاصد بیان فرمائے ہیں۔

امت واحدہ کی تشکیل

قرآن حکیم میں مختلف مقامات پر بعثت انبیاء کا سبب بیان کیا گیا ہے۔ سورہ مبارکہ بقرہ کی یہ آیت اس حوالے سے بہت جامع اور واضح شمار کی جاتی ہے!

”كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً فَبَعَثَ اللَّهُ النَّبِيِّينَ مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ وَأَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ

لِيُخَلِّمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ وَمَا اخْتَلَفَ فِيهِ إِلَّا الَّذِينَ أُوتُوهُ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمْ

الْبَيِّنَاتُ بَعْثًا بَيْنَهُمْ فَهَدَى اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا لِمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ مِنَ الْحَقِّ بِإِذْنِهِ وَاللَّهُ يَهْدِي
مَنْ يَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ“ (2)

یعنی: ”سب لوگ ایک امت تھے۔ پس اللہ نے نبیوں کو بشیر و نذیر بنا کر بھیجا اور ساتھ ان کے
برحق کتاب نازل کی تاکہ لوگوں کے مابین ان امور میں فیصلہ کر دے جس میں وہ اختلاف
کرنے لگے تھے اور انہی نے اس میں اختلاف کیا جنہیں یہ (کتاب) دی گئی تھی جبکہ اس کے پاس
بین و واضح احکام و دلائل آچکے تھے اور یہ اختلاف انہوں نے باہمی رسہ کشی اور شرارت کی بنیاد
پر کیا تھا۔ پس اللہ نے ایمان لانے والوں کو وہ راہ حق دکھا دی جس میں ان لوگوں نے اختلاف
ڈال رکھا تھا اور اللہ جس کی چاہتا ہے صراط مستقیم کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔“

اس آیت مجیدہ سے مندرجہ ذیل بنیادی باتیں اخذ کی جاسکتی ہیں:

- (1) تمام انسان ایک امت تھے، اکٹھے تھے، متحد تھے۔
- (2) جب انسانوں میں اختلاف پیدا ہوا تو ان میں نبی مبعوث ہوئے تاکہ اللہ نے انہیں
جو زندگی کے قوانین و اصول دیے ہیں ان کی روشنی میں فیصلہ کرتے ہوئے لوگوں کے
مابین سے اختلاف رفع کر دیں اور انہیں پھر ”امۃ واحدا“ بنا دیں۔
- (3) ایک گروہ اختلاف کے راستے پر کاربند رہا جبکہ اس پر حجت تمام ہو گئی، روشن دلائل
آچکے اور حق و باطل میں تمیز واضح ہو گئی۔
- (4) ایک گروہ نے انبیاء کی تعلیمات کو قبول کر لیا اور وہ ”مومن“ قرار پائے اور وہی
سیدھے راستے پر گردانے گئے۔

انسان کے امت واحدہ کے ہونے کے حوالے سے یہ امر مد نظر رہنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے چونکہ سب
انسانوں کو ایک فطرت پر پیدا کیا ہے اس لئے اگر ان کی فطرت کسی خارجی رنگ یا گردوغبار یا رنگ سے
محفوظ رہے تو یکساں رہتی ہے اور وہ ”امت واحدہ“ بن کر رہ سکتے ہیں۔ پھر یہ فطرت اللہ کی فطرت سے ہم
رنگ ہے بلکہ بہتر لفظوں میں انسان اللہ ہی کی فطرت پر پیدا کیا گیا ہے لہذا انسان اپنے فطری راستے پر چلتا

رہے تو یہی اللہ کا راستہ ہے، یہی دین الہی ہے اور یہی صراطِ محکم و مستقیم ہے۔ جیسا کہ قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے:

”فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا فِطْرَةَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ ذَلِكَ الدِّينُ

الْقَيِّمُ“ (3)

یعنی: ”اپنا رخ محکم و مستقیم دین کی طرف کیے رکھ۔ اللہ کی فطرت ہے جس پر انسان پیدا کیے گئے ہیں۔ اللہ کی خلقت اور بناوٹ تبدیل نہیں ہوتی۔ یہی مضبوط دین ہے۔“

انبیاء کا اختلاف ختم کرنے کیلئے آنا گویا انسانوں کو فطرت کے راستے کی طرف واپس لانے کیلئے ہے۔ جس کے نتیجے میں وہی امت واحدہ پھر سے معرض وجود میں آجائے۔ اس مقصد کے لئے انبیاء تبشیر و انداز کا اسلوب اختیار کرتے رہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انبیاء نفس بشر کی اصلاح کیلئے مامور ہوئے تھے۔ وہی نفس جو آزادی ارادہ و اختیار کے استعمال سوء کے نتیجے میں راہ فساد اختیار کر لیتا ہے۔ انبیاء آئے تاکہ انسانی نفس کو راہ اصلاح پر کاربند رہنے کی مشق کروائیں، یہاں تک کہ بھلائی کا اختیار کرنا اس کے اندر ملکہ کی شکل اختیار کر لے۔ آخری رسول کی بعثت کی دعا حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل اسی مقصد کے لئے مانگ رہے تھے:

”رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ“ (4)

ترجمہ: ”اے ہمارے رب! ان میں ایک ایسا رسول بھیج، جو انہی میں سے ہو، جو ان کے سامنے تیری آیتیں پڑھے، انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دے اور انہیں پاک و پاکیزہ کرے۔“

بعثت انبیاء کا مقصد زبان امیر المومنینؑ

حضرت امیر المومنین علیؑ نبی البلاغہ کے اپنے پہلے خطبے میں بعثت انبیاء کا مقصد ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں:

”فبعث فيهم رسلا و اترا اليهم انبيائه، ليستادوهم ميشاق فطرتهم و يذكوهم منسوي نعبته

ويحتجوا عليهم بالتبليغ ويشيرو اليهم دفائن العقول ويروهم الايات البقدرة“ (5)

یعنی: ”اللہ نے بنی آدم میں اپنے رسول مبعوث کیے اور لگاتار انبیاء بھیجے تاکہ ان سے فطرت کے عہد و پیمان پورے کروائیں، اس کی بھولی ہوئی نعمتیں یاد دلائیں۔ پیغام ربانی پہنچا کر حجت تمام کریں۔ عقل کے دینوں کو ابھاریں اور انھیں قدرت کی نشانیاں دکھائیں۔“

قبل ازیں مذکورہ آیات کو سامنے رکھ کر جناب امیرؑ کے اس فرمان کو دیکھا جائے تو یہ انہی آیات کی تفسیر معلوم ہوتا ہے۔ اس میں صراحت سے فرما دیا گیا ہے کہ انبیاء کا مقصد بعثت انسان کو اس کا بھولا ہوا پیمان فطرت یاد دلانا ہے۔ عقل کے دینوں کو ابھارنے کی تعبیر یہاں بہت معنی خیز ہے۔ اس میں ایک پہلو تو یہ ہے کہ انبیاء کی دعوت عقلی بنیادوں پر استوار ہوتی ہے۔ دوسرا پہلو یہ ہے کہ انبیاء کی دعوت ایسی ہوتی ہے کہ جو انسانی صلاحیتوں کو ابھارنے میں مددگار ہوتی ہے اور پھر یہ انسانی فطرت و عقل کی گہرائیوں سے ہی ہم آہنگ ہوتی ہے۔ بعید نہیں کہ آیت میں تعلیم حکمت اس مفہوم کی حامل ہو۔

اس خطبے سے بھی یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ بیان فطرت کی فراموشی انسانوں میں خرابی اور فساد کا باعث بنتی ہے۔ رسول اسلامؐ کی بعثت کے پس منظر پر روشنی ڈالتے ہوئے جناب امیرؑ نےج البلاغہ ہی میں اپنے ایک اور خطبے میں فرماتے ہیں:

”ارسلہ علی حین فترۃ من الرسل وطول ہجعة من الامم واعتزام من الفتن و انتشار من الامور وتلظ من الحروب و الدنيا کا سفة النور ظاهرة الغرور علی حین اصفراء من و رقعها وایاس من شرھا اغورار من ما تھا قد درست منار الہدی۔“ (6)

یعنی: ”اللہ نے اپنے رسول کو اس وقت بھیجا جب رسولوں کی آمد کا سلسلہ رکا ہوا تھا اور امتیں مدت سے پڑی سو رہی تھیں۔ فتنے سراٹھارے تھے۔ سب چیزوں کا شیرازہ بکھرا ہوا تھا۔ جنگ کے شعلے بھڑک رہے تھے۔ دنیا بے رونق و بے نور تھی اور اس کی فریب کاریاں کھلی ہوئی تھیں۔ اس وقت اس کے پتوں میں زردی دوڑی ہوئی تھی اور پھلوں سے ناامیدی تھی۔ پانی زمین میں نہ نشین ہو چکا تھا۔ ہدایت کے مینار مٹ گئے تھے۔۔۔“

یہ سب عبارت درحقیقت ”مَا اخْتَلَفُوا فِيهِ“ کی خوبصورت اور دلنشین تفسیر ہے۔ قرآن حکیم نے اس اختلاف کی موجودگی اور پھر بعثت رسول اکرمؐ کی برکت کو ان الفاظ میں بیان فرمایا:

”ذُكِرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا وَكُنْتُمْ عَلَىٰ شَفَا حُفْرٍ مِّنَ النَّارِ فَنَقَذَكُم مِّنْهَا“ (7)

یعنی: ”اپنے آپ پر اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو کہ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے اور اس نے تمہارے دلوں میں ایک دوسرے کیلئے الفت پیدا کر دی پس تم اس کی نعمت سے آپس میں بھائی بن گئے اور تم گویا آگ کے گڑھے کے کنارے کھڑے تھے کہ خدا نے تمہیں اس میں گرنے سے بچالیا۔“

اس سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن حکیم کی نظر میں رسول اکرمؐ کی بعثت سے یہ فائدہ حاصل ہوا کہ قتل و فساد اور جنگ و جدل میں مبتلا متفرق انسان آپس میں بھائی بھائی بن گئے اور امت واحدہ کی شکل میں بدل گئے۔ رسول اکرمؐ کا ایک مشہور فرمان بعثت کے مقصد کی طرف ہماری رہنمائی ان الفاظ میں کرتا ہے:

”انما بعثت لاتمم مکارم الاخلاق“ (8)

یعنی: ”میں اچھے اور بھلے اخلاق کی تکمیل کیلئے مبعوث ہوا ہوں۔“

اگر ہم اخلاق کے اس مفہوم کو پیش نظر رکھیں کہ یہ انسانوں کے باہمی روابط و تعلقات کی نوعیت سے بھی عبارت ہے تو واضح ہوتا ہے کہ انسانوں کے باہمی روابط کو نیکی اور بھلائی کی بنیادوں پر استوار کرنا بعثت انبیاء کا بنیادی مقصد ہے۔ قرآن و حدیث سے وجہ بعثت کے اس اجمالی بیان کے بعد ہم زیر بحث موضوع کے حوالے سے اٹھائے گئے سوالات کا جائزہ لیتے ہیں۔

(1) لوگوں کو عبادت کی دعوت دینے کیلئے

کیا انبیاء کرام لوگوں کو اللہ کی عبادت اور بندگی کی طرف دعوت دینے کیلئے مبعوث ہوئے؟ اس سوال کا جواب اثبات میں ہے۔ درحقیقت اللہ کی بندگی ہی انسانوں میں توحید و وحدت کا ذریعہ بن سکتی ہے۔ اختلاف عبادت الہی یا تقاضائے عبادت الہی سے انحراف ہی کے نتیجے میں معرض وجود میں آتا ہے۔ خود اللہ تبارک و تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

”وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ“ (9)

یعنی: ”میں نے جن وانس کو عبادت ہی کیلئے پیدا کیا ہے۔“

جب تخلیق جن و بشر کا مقصد ہی عبادت ٹھہرا تو پھر انبیاء کی دعوت سوائے عبادت حق تعالیٰ ہی ہونا چاہیے۔ درحقیقت یہی فطرت انسانی کے میثاق کے ایفا کی دعوت ہے۔ انسانی معاشرے کی تمام کج رویاں اسی دعوت سے انحراف کے نتیجے میں ہوتی ہیں۔ اگر سب کا ہدف خدا ہو جائے تو نوع انسانی میں سے ہدف کا اختلاف ختم ہو جاتا ہے۔ ساری جنگیں تو اہداف و مقاصد کے اختلاف ہی سے جنم لیتی ہیں۔ اگر انسان سب اللہ کے بندے ہیں اور وہ سب کا معبود بھی ہے اور خالق و مالک بھی تو پھر ایک بندے کے لئے ضروری ہو جاتا ہے کہ وہ دوسرے انسانوں کو بھی اس نظر سے دیکھے کہ وہ خدا کے بندے ہیں۔ اگر انسان میں یہ نظر پیدا ہو جائے تو پھر وہ اپنے آقا و مالک کے کسی بندے کے ساتھ کیونکر ظلم کر سکتا ہے۔ سب گویا ایک دوسرے کی ملک کر کے اپنے معبود کی عبادت ہی انجام دے رہے ہوتے ہیں۔ پھر دعوت الہی میں انسان کی باہمی رقابت بہت دل خوش کن منظر میں بدل جاتی ہے۔ بقول غالب:

سب رقیبوں سے ہوں ناخوش پر زنان مصر سے

ہے زلیخا خوش کہ محو ماہ کنعالم ہو گئیں (10)

(2) فلاحی کام کرنے کے لیے:

قرآن حکیم میں بہت سے مقامات پر الہی دعوت کے بعد ”لَعَلَّكُمْ تَفْلِحُونَ“ فرمایا گیا ہے۔ احکام اسلامی میں نماز کا مقام و درجہ سب سے بلند ہے۔ اس کی طرف دعوت دیتے ہوئے موزن پکارتا ہے:

”حی علی الفلاح“

در اصل فلاح کا تصور کہ جو زامادی ہے اور فلاح کا تصور کہ جو دارین پر حاوی ہے، دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ آخرت سے بے نیاز ہو کر، جہان دیگر سے انقطاع کے بعد فلاح کا تصور مکتب انبیاء میں سرے سے عنقا ہے۔ فلاح کے جامع تصور کے حوالے سے اگر پوچھا جائے کہ انبیاء ہماری فلاح کے لئے مبعوث ہوئے تھے تو اس سوال کا جواب بھی اثبات میں ہے۔ رہے سماجی حوالے سے فلاحی کام تو یہ کلی توحیدی معاشرے کا ایک مثبت پہلو ہے۔

تاہم مکتب انبیاء سے وابستہ انسان کا اس حوالے سے جذبہ محرکہ مکتب انبیاء سے دور انسان کے جذبہ محرکہ سے مختلف ہی نہیں ہوتا بلکہ آخر کار نتیجہ بھی بہت مختلف نکلتا ہے۔ سماجی بھلائی کے کام انبیاء کے ساختہ و پرداختہ انسان کے وجود سے خود بخود مترشح ہوتے ہیں لہذا انھیں انبیاء کی تحریک انسان سازی

کا ایک نتیجہ قرار دیا جاسکتا ہے۔ بلا واسطہ انبیاء کا کام فطرت انسانی کو صالح رکھنا ہے، یہ مقصد حاصل ہو جائے تو معاشرہ بہر حال صالح اور فلاح یافتہ ہو جاتا ہے۔

(3) دنیا سے دور رکھنے کیلئے:

دنیا کے دو تصور ہیں، ایک دنیا جو آخرت سے بے نیاز ہو کر یا لا تعلق ہو کر حاصل ہو، انبیاء کے مکتب میں ایسی دنیا سے دوری ہی کی دعوت دی گئی ہے۔ جیسا کہ قرآن حکیم میں ہے کہ جو شخص صرف یہ کہتا ہے:

”فَبَيْنَ النَّاسِ مَن يَقُولُ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا مِمَّا لَمْ نَأْتِ بِهَا فِي الْآخِرَةِ مَن خَلَاقٍ“ (11)

یعنی: ”انسانوں میں سے جو کہتے ہیں اے ہمارے پروردگار! ہمیں دنیا میں عطا کر، ان کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔“

ایسی ہی دنیا کے بارے میں فرمایا گیا ہے:

”حب الدنيا راس كل خطية“ (12)

یعنی: ”دنیا کی محبت تمام برائیوں کی جڑ ہے۔“

جبکہ دوسری طرف اللہ تعالیٰ ایسے انسانوں کو پسند فرماتا ہے جو کہتے ہیں:

”رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ“ (13)

یعنی: ”پروردگار! ہماری دنیا بھی اچھی کر اور آخرت بھی اچھی کر اور ہمیں عذاب دوزخ سے بچا۔“
جو انسان اس دنیا کو اپنی نجات اخروی کا زینہ بناتا ہے وہ انبیاء کے مکتب کا صحیح شاگرد ہے، اس لئے کہ اس مکتب کی تعلیم یہ ہے:

”الدنيا مزرعة الآخرة“ (14)

یعنی: ”دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔“

دوسری طرف اسلام نے دنیا سے قطع تعلق کی کھل کر مخالفت کی ہے۔ اسلام کا یہ نظریہ مشہور ہے:

”لارهبانية في الاسلام“ (15)

قرآن میں یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ:

”لَا تَنْسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا۔۔“ (16)

یعنی: ”اور دنیا سے اپنا حصہ فراموش نہ کرو۔“

لہذا انبیاء ایسی دنیا سے دور رہنے کا پیغام تو دیتے ہیں جو آخرت کی نفی پر استوار ہو اور انسان کو آخرت سے غافل کر دے جبکہ اس دنیا کو آخرت کیلئے کھیتی بنا کر استفادے کے حامی ہیں۔ انسانی معاشروں میں اختلاف ایسی دنیا پرستی کی بنا پر ہی پیدا ہوتا ہے جو آخرت سے دوری کا باعث ہوتی ہے۔ انسانی فطرت انسانی بقا کی خواہشمند ہے جبکہ اس دنیا کی زندگی فانی ہے لہذا فانی زندگی کی طلب فطرت انسانی کے تقاضوں کی پامالی سے عبارت ہے اور یہ امر سراسر وجہ بعثت انبیاء سے متصادم ہے۔

(4) سیاست سے دور رکھنے کے لئے

سطور بالا میں دنیا کے بارے میں اسلامی تصور سے اس سوال کا جواب واضح ہو گیا ہے۔ سیاست اگر انسانوں کو باہم جوڑنے، انھیں امت واحدہ بنانے، عدل اجتماعی کے قیام سے عبارت ہے تو یہی انبیاء کی تعلیمات کا تقاضا ہے لیکن سیاست کا مقصد اگر اس کے برخلاف ہے تو پھر انبیاء کے راستے کے برخلاف ہے۔

(5) آخرت میں چھٹکارا دلانے کیلئے:

ابھی ہم نے قرآن حکیم کی ایک آیت نقل کی جس کے آخر میں ہے:

”وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ“

یعنی: ”پروردگار! ہمیں عذاب دوزخ سے بچا۔“

ایک اور مقام پر فرمایا گیا ہے:

”قُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا“ (17)

یعنی: ”اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو دوزخ سے بچائیں۔“

گویا آخرت میں عذاب جہنم سے بچنے کی دعوت دینا انبیاء کی بعثت کا ایک مقصد ہے۔ تاہم انبیاء کی دعوت اس سے وسیع تر، عظیم تر، عمیق تر اور جامع تر ہے۔ انبیاء کا تربیت یافتہ انسان بہر حال آخرت میں بھی نجات یافتہ قرار پاتا ہے۔ ویسے جنت ہو یا جہنم، اپنے تمام تردد رجات کے ساتھ انسان کے اچھے یا برے اعمال کے اخروی تشکل ہی کا دوسرا نام ہے۔

(6) دنیا میں عدل و انصاف قائم کرنے کے لئے:

اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد کو مخاطب کر کے فرمایا:

”يَا دَاوُدُ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ فَاحْكُم بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ --“ (18)

یعنی: ”اے داؤد! ہم نے تجھے زمین پر خلیفہ بنایا ہے پس انسانوں کے مابین حق کے مطابق فیصلہ کر۔“

ایک اور آیت میں فرمایا گیا ہے:

”اَعْدِلُوا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوَى“ (19)

یعنی: ”عدل کرو کہ یہی تقویٰ کے نزدیک ترین ہے۔“

ایسی آیات سے ظاہر ہوتا ہے کہ عدل کی حکمرانی کے قیام کی تعلیم، دعوت بلکہ کوشش انبیاء کی جدوجہد اور پروگرام کا حصہ ہے۔ ہم نے شروع میں وجہ بعثت انبیاء کے حوالے سے سورہ بقرہ کی جو آیہ مجیدہ نقل کی تھی اس میں بھی فرمایا گیا ہے۔

”وَأَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ۔۔۔“

انبیاء کے ساتھ ہم نے برحق کتاب نازل کی تاکہ اس کے مطابق وہ لوگوں کے اختلافات دور کر سکیں اس کی روشنی میں لوگوں کے درمیان فیصلہ کر سکیں۔

اب رہا یہ سوال کہ دنیا میں عدل و قسط کا قیام کس طریقے سے ہو تو یہ حالات اور شرائط زمان و مکان سے مربوط ہے۔ انبیاء کے اپنے ہاتھوں میں بھی حکومتیں رہی ہیں جیسے خود حضرت داؤد اور حضرت سلیمان کی مثال ذکر کی جاسکتی ہے۔ وہ کسی کو بھی یہ منصب سونپ سکتے ہیں جیسے جناب طالوت کو ایک مرحلے پر قیادت سونپی گئی۔ حکمت عملی کے تحت کوئی اور صورت بھی ممکن ہے۔ دراصل خود حکومت کا قیام انبیاء کا بلاواسطہ مقصد نہیں ہوتا لیکن معاشرے پر عدل کی حکمرانی اور ظلم کا خاتمہ قانون عدل کی بالادستی کے بغیر متصور نہیں۔

نمونہ عمل کی ضرورت

جانوروں میں سے جو اجتماعی زندگی گزارتے ہیں ان کے کام جمعی طور پر ہوتے ہیں۔ خود ان کا ارادہ ان کاموں میں کارفرما نہیں ہوتا۔ انسان چونکہ فاعل مختار ہے اس لیے اُسے اجتماعی زندگی کے امور خود اپنے ارادے سے انجام دینا ہوتے ہیں لیکن اسی کے بارے میں امکان ہے کہ وہ اپنے فریضے میں کوتاہی کرے گا یا اس کے برخلاف کام کرے گا۔ انسان اپنے انفرادی مفاد کی فکر میں رہتا ہے۔ لہذا اسے قانونی اور اخلاقی دونوں اعتبار سے سدھارنے اور سدھانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ انبیاء انسانوں کے لیے اچھے معاشرتی

توانین اور اعلیٰ اخلاقی تعلیمات لے کر آتے ہیں اور خود ان توانین پر عمل کرتے اور اخلاقی اعتبار سے اعلیٰ ترین مقام پر فائز ہوتے ہیں۔ اس طرح سے ان کی زندگی دوسروں کے لیے ایک نمونہ عمل بھی بن جاتی ہے۔ نمونہ عمل درحقیقت انسان کے اندر ایک جذبہ عمل پیدا کرنے کا کردار بھی ادا کرتا ہے۔ انبیاء اپنے عمل سے ثابت کرتے ہیں کہ وہ جو کچھ کہتے ہیں ان پر ایمان رکھتے ہیں ان کا عمل ان کی فکر اور تعلیم کی صداقت کی گواہی دیتا ہے۔

اس طرح سے وہ نافذ انسانی عقول کو اپیل کرتے ہیں بلکہ انسانی دلوں کو بھی انگلیخت کرتے ہیں۔ انبیاء اپنی زبان سے ہی انداز و تبشیر کا کام نہیں کرتے بلکہ ایک صورت عمل بھی مہیا کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ایمان لانے والوں کے دل پر ان کی باتیں اثر کرتی ہیں وہ دنیا سے بظاہر چلے بھی جاتے ہیں لیکن ان کا عمل انسانوں کے اندر بیداری اور حرکت کا پیغام بن کر زندہ رہتا ہے۔

سچ تو یہ ہے کہ انبیاء نہ ہوتے تو انسان اور انسانیت ہی نہ ہوتی۔ آج بھی انبیاء کی جو وراثت انسانی تہذیب اور معاشرے میں باقی ہے وہ انسانی تربیت اور مکامل میں اپنا کردار ادا کر رہی ہے۔ اگر انبیاء کی کتب اور تعلیمات انسانی معاشرے سے آج بھی نکل جائیں تو روح انسانیت فنا ہو جائے۔ انسان بالکل درندہ بن جائے اور ہر قومی کمزور کو کھا جائے۔ اپنا اجتماعی فریضہ جان کر بھی امکان ہے کہ اس پر عمل نہ کرے۔ نبی اجتماعی فریضے کی پہچان میں بھی مدد کرتا ہے اور انسان میں ایمان کی قوت پیدا کر کے اس پر عمل پر بھی ابھارتا ہے۔

حوالہ جات

- 1- سورہ النباء: ۲، ا:
- 2- بقرہ: ۲۱۳
- 3- روم: ۳۰
- 4- بقرہ: ۱۲۹
- 5- نوح البلاغہ، خطبہ ۱
- 6- نوح البلاغہ خطبہ ۸۷، ۸۹
- 7- آل عمران: ۱۰۳
- 8- بیہقی (۳۵۸)، السنن الکبریٰ، بیروت، لبنان، دار الفکر، ج ۱۰، ص ۱۹۲
- 9- ذاریات: ۵۶
- 10- غالب، اسد اللہ خان: دیوان غالب، تصحیح: حامد علی خان (لاہور، الفیصل ناشران و تاجران کتب، جنوری ۲۰۰۷) ص ۱۰۲
- 11- بقرہ- ۲۰۰
- 12- کلینی (۳۲۹) الکافی، تہران، ایران، دارالکتب الاسلامیہ، طبع ۱۳۶۵ ش، ج ۲، ص ۳۱۵
- 13- آل عمران: ۱۶
- 14- ری شہری، محمدی: میزان الحکمہ (تہران، مکتب الاعلام الاسلامی، اردی بہشت، ۱۳۶۷ھ ش) ج ۳، ص ۲۸۵
اس مقام پر جناب ری شہری نے اس مفہوم کی کئی ایک احادیث درج کی ہیں۔
- 15- کلینی، شیخ محمد بن یعقوب: الکافی (تہران، دارالکتب الاسلامیہ، ۱۳۶۵ھ ش) ج ۵، ص ۴۹۴
- 16- قصص: ۷۷
- 17- تحریم: ۶
- 18- ص: ۲۶
- 19- ماخذہ- ۸